تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

18. M. HABIBUR REHMAN SAHIB,
Hony. Secretary,
Anjuman Taraqqi-e-Urdu,
Himayat Nagar,
HYDERABAD (DECCAN).

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۴	۱۵ جولائی ۱۹۵۵ء	ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار	۲۴ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ	نمبر ۱۴

صوبائی اور مقامی شاخیں

اتر پردیش میں دستخطوں کے جمع کرنے کی مہم نے بلاشبہ ایک طاقتور تحریک پیدا کر دی ہے اور یہ امید بیجا نہیں کہ اگر اس صوبہ میں صوبائی شاخ کی تنظیم مضبوط ہو گئی تو اردو زبان کی حفاظت اور ترقی کا ایک قلعہ تعمیر ہو جائے گا اور ہونا بھی یہی چاہئے اس لئے کہ اتر پردیش ہی اردو زبان کا وطن ہے۔ اردو کی علاقائی حیثیت کو تسلیم کرنے کے متعلق ایک عرصے سے اردو کے حامیوں کا مطالبہ صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش ہے اور اس عرض داشت کے جواب کا بے چینی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے۔ اس دوران میں اتر پردیش کی صوبائی شاخ نے اردو زبان کی تعلیم اور اشاعت کی ضروریات پر توجہ کی ہے اور جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مدرسوں میں داخل کرانے کی کوشش جاری ہے لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ کام صرف دو تین ہی اضلاع میں منظم ہو سکا ہے اور ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اس تنظیم کا کوئی مستقل نقشہ اسی وقت بن سکے گا جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ علاقائی زبان کے متعلق ہمارے جائز اور دستوری مطالبہ کو صدر جمہوریہ قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

دہلی لیکن اس عرصے میں اردو کے مرکز دہلی میں اتر پردیش کی حکومت کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کی جا رہی ہے مدارس اور دفاتر سے اردو کو نکالا جا رہا ہے اور تدبیر کچھ ویسی ہی اختیار کی جا رہی ہے جیسی کہ اتر پردیش میں۔ یعنی کہنے کو تو کہا جا رہا ہے کہ اردو کے لئے تعلیم کی آسانیاں مہیا کی گئی ہیں لیکن اندر ہی اندر اس کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں اور ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں کہ کہنے اور لکھنے کے لئے دس پانچ مدرسوں اور مکتبوں کا نام کا بھی لے دیا جائے لیکن دہلی میں اردو کی مسلمہ علاقائی حیثیت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اتر پردیش کی طرح دہلی کی حکومت کا عقیدہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے اردو کی علاقائی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا ہندی کے لئے خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہے نہیں علاقائی زبان مرکزی زبان کی اشاعت میں [illegible] کی مددگار ثابت ہوگی۔ یہی نکتہ ہندی کے پرجوش [illegible] کی سمجھ میں نہیں آتا۔

جہاں تک ہمیں علم ہے دہلی میں ہنوز اردو کی مخالفت کے محاذ کا مقابلہ کرنے کی کوئی خاص تیاری نہیں کی جا رہی ہے۔ سوائے دو چار مشاعروں اور جلسوں کے جو انجمن کی مقامی شاخ نے کرائے ہمیں نہیں معلوم کہ اردو کی حفاظت کی کوئی منظم تحریک شروع کی جا سکے گی یا نہیں۔

راجستھان دو سال پہلے جب اجمیر میں ایک اردو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اور انجمن کے جنرل سکریٹری اور بعض ممتاز حامیان اردو نے اس کانفرنس میں شرکت کی تھی تو راجستھان کے حامیان اردو میں ایک حرکت پیدا ہوئی تھی اور بعض مخلص دوستوں

کی کوشش سے اجمیر میں ایک شاخ بھی قائم ہو گئی تھی۔ بعد میں کچھ اور شاخیں بھی قائم ہوئیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ہمارے احباب کی ہمتیں کچھ پست اور کوششیں سست ہو گئیں۔ اس میں کچھ قصور مرکز کا بھی ہے۔ جنرل سکریٹری وعدہ کر کے آئے تھے کہ وہ جلد پورے راجستھان کا دورہ کریں گے۔ لیکن دوسری مصروفیتوں اور بعد کو طویل علالت نے اس وعدے کو پورا نہ ہونے دیا۔ راجستھان میں کام کرنے کا میدان کافی وسیع ہے۔ قدیم تہذیب کے ذخیرہ سے اردو زبان وابستہ ہے۔ (اثرات باقی ہیں اور ان کی پوری پوری حفاظت کرنی ہے) انشاء اللہ آئندہ موسم سرما میں مرکز کا ایک وفد اس علاقے کا دورہ کرے گا اور یہاں تنظیم کو مکمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

بمبئی بمبئی میں اردو زبان کے مسئلہ کی نوعیت بہ نسبت دوسرے مقامات کے مختلف ہے۔ وہاں کی چند مقامی زبانیں بیک وقت علاقائی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہاں کی حکومت کا طرز عمل بھی اردو کے لئے مخالفانہ نہیں ہے۔ ایک کمی ہم ضرور محسوس کرتے ہیں کہ بمبئی کی شاخ نے اب تک ریاست کے دوسرے اضلاع میں شاخیں قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دلیسنوی صاحب کو جو بمبئی میں اردو کی تحریک کے روح رواں ہیں غالباً اچھے کارکن نہیں ملتے۔ عام طور پر بمبئی کے دوستوں کی توجہ قوالی اور مشاعروں کی محفلوں پر مبذول رہتی ہے۔ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جب ہم بمبئی کے اردو اخباروں میں کسی نہ کسی "شاندار" مشاعرے کی روئداد نہ پڑھتے ہوں۔ مشاعرے ایک حد تک اردو کی ترویج اور ہر دلعزیزی کے لئے ضرور مفید ہیں۔ مگر صرف ایک حد تک۔ اردو کی حفاظت اور ترقی کا بنیادی کام کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے۔ ان کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اردو پڑھائی جائے۔ اور اردو کی اشاعت کے بہترین ذرائع مہیا کئے جائیں۔

مشاعروں کی محفلوں میں ایک شاعر کی "واہ واہ" اور "سبحان اللہ" دلچسپ گوشش تو ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ لذت ایک ہی شب کے چند گھنٹوں کی ہوتی ہے۔ گھر جاتے جاتے حاضرین محفل بھول جاتے ہیں کہ جس زبان میں انھوں نے شعرا کا کلام سنا اس کا رابطہ ان کی تہذیب و ثقافت سے کتنا گہرا ہے۔ اس لئے ہم محض مشاعروں کی زیادہ حمایت نہیں کرتے۔ وہ مسئلہ کی بنیادی اہمیت کو نظروں سے اوجھل کر دیتے ہیں۔

کلکتہ بنگال میں اردو کی تحریک تقریباً ختم ہو گئی ہے۔ یہ نہیں کہ اردو کے حامی وہاں موجود نہ ہوں۔ لیکن ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو ہیں وہ پارٹی بندی اور جماعتی احساسات سے متاثر ہیں۔ ایک جماعت نہیں چاہتی کہ اس میدان میں کوئی دوسری جماعت آگے بڑھے۔ اردو کے مسئلہ سے کچھ مقامی سیاست بھی الجھی ہوئی ہے اور اس حقیقت کو ہمارے بعض احباب بھول رہے ہیں کہ اردو کے مسئلے میں کسی قسم کے جماعتی اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ اس مسئلہ کو مقامی سیاست میں الجھانا اردو زبان پر ظلم کرنا ہے۔ یہ مسئلہ ہماری تہذیب اور ثقافت کا مسئلہ ہے اور تمام دوسرے تعصبات سے قطع نظر کر کے اس کو صرف اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہئے۔ کچھ عرصے سے مرکزی انجمن کوشش کر رہی ہے کہ مقامی اور جماعتی اختلافات سے اس مسئلہ کو بالاتر رکھ کر بنگال میں اردو زبان کی تحریک کو منظم کیا جائے۔

بہار بہار کے چند دوستوں نے گذشتہ دو تین سال میں اردو کی تحریک کو آگے بڑھانے کی قابل تحسین کوشش کی ہے لیکن اس تحریک کو ایک کل ہند اساس پر منظم کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ دہلی اور اتر پردیش کے بعد اردو زبان کا گہوارہ بہار ہے اس کے ممتاز اہل قلم اور شعرائے زبان کی بہت خدمت کی ہے اور اس ریاست کی آبادی میں ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ قابل لحاظ ہے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ اسی لئے اہل بہار کا یہ مطالبہ کہ اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔ یہ مطالبہ عنقریب صدر جمہوریہ کی خدمت میں ۱۰ لاکھ دستخطوں کے ساتھ پیش کیا جانے والا ہے اور ہمیں امید کہ اتر پردیش اور بہار کی اس استدعا کا ایک ہی سطح پر فیصلہ کیا جائے گا۔

مدراس مدراس میں بہت عرصے کے بعد ڈاکٹر عبد الحق اور دوسرے حامیان اردو کی توجہ سے اس زبان کا چرچا شروع ہوا ہے۔ چنانچہ چند ہی ماہ ہوئے کہ وہاں ایک شاندار اردو کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کے خطبہ صدارت میں مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری نے بتایا ہے کہ مدراس میں ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب اردو زبان کے بڑے بڑے ادیب وہاں آئے اور پیدا ہوئے۔ اور اس زبان کو بہت ہر دلعزیزی حاصل ہوئی ہے۔ زمانہ کے انقلابات نے چند سال پہلے صورت حال بدل دی لیکن ایسے اللہ کے بندے وہاں موجود ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اگر ریاست میں اردو زبان ختم ہوئی تو گویا ایک بہت بڑی تہذیب ختم ہوئی حقیقت یہ ہے کہ آج بھی جنوبی ہند اور مالابار کے علاقے میں اردو زبان سے محبت کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ لیکن یہ میدان خالی پڑا ہے اور اردو کی خدمت کرنے والے بہت کم اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ امید ہے کہ مدراس میں انجمن کی شاخ قائم ہونے کے بعد جنوبی ہند میں اس تنظیم کا ایک جال بچھایا جا سکے گا۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ شاندار کانفرنسوں اور پر جوش اجتماعات کے بعد کام کرنے والے سست ہو جاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مدراس اور آندھرا میں ایسا نہ ہوگا۔

حیدرآباد دہلی، لکھنؤ اور پٹنہ کی طرح حیدرآباد بھی اردو زبان کا ایک قدیم مرکز ہے لیکن تازہ انقلابات نے وہاں اردو کی حیثیت کو بہت گرادیا ہے۔ یہ امر ضرور اطمینان بخش ہے کہ وہاں کی شاخ میں مخلص کارکنوں کی کمی نہیں ہے اور انھوں نے اپنی جد وجہد جاری رکھی ہے۔ لیکن ریاست کے اضلاع میں ابھی تک یہ تحریک منظم نہیں ہو سکی ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ ریاست کے اہم مقامات پر شاخیں قائم کرکے حیدرآباد کی شاخ صوبائی شاخ بن جاتی۔ لیکن ہم مقامی مشکلات سے قطع نظر نہیں کر سکتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کام میں کچھ وقت صرف ہوگا۔

میسور و بنگلور عرصہ سے یہ خیال تھا کہ جنوبی ہند میں اردو کی تحریک کا مرکز بنگلور کو بنایا جائے۔ عرصہ تک انجمن کی ایک شاخ بنگلور میں برائے نام رہی، لیکن مرکز سے اس کا الحاق نہ ہو سکا اور یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ از سر نو بنگلور میں ایک باعمل شاخ قائم کی جائے۔ چنانچہ وہاں کے ممتاز اصحاب نے ہمت افزائی کی اور گزشتہ سال جنرل سکریٹری باوجود اپنی علالت کے بنگلور گئے اور وہاں کے ممتاز اصحاب کی مدد سے ایک شاخ قائم کردی گئی۔ جس جوش اور انہماک کے ساتھ کام شروع ہوا تھا اس سے یہ توقع بیجا نہ تھی کہ بہت جلد بنگلور کی شاخ موثر طریقے پر جنوبی ہند میں اردو کی تحریک کو پھیلا دے گی۔

کیا اسباب ایسے پیدا ہوئے ہیں معلوم نہیں کہ چند روز بعد وہاں کا کام سست ہو گیا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے کافی اور قابل لحاظ تعداد میں ممبر بھی نہیں بنائے جا سکے۔ عرصہ سے یہ معلوم نہیں کہ اب وہاں اگر کچھ کام ہو رہا ہے تو کیا ہو رہا ہے۔ لیکن ان حالات نے ہمارے اس احساس کو قوی کر دیا ہے کہ اگر کل ہند بنیاد پر اس تحریک کو منظم کرنا ہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ریاستوں کی شاخوں اور مرکز کے درمیان قریبی ربط قائم ہو جائے مگر اس وقت تک یہ صورت نہیں ہے۔ شاخیں اپنے متعلق ضروری خبریں بھی "ہماری زبان" میں اشاعت کے لئے نہیں بھیجتیں اور نہ اپنی مصروفیات سے مرکزی دفتر کو باخبر رکھتی ہیں۔ یہ صورت حال بہت کچھ قابل اصلاح ہے اور ہم تمام ریاستی شاخوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ اگر وہ اردو کے مسئلے کو محض ایک مقامی اور ضمنی مسئلہ سمجھ کر کام کریں گی تو اس تہذیب اور ثقافت کا خاتمہ کر دیں گی جس کی نمائندہ اردو زبان ہے، اور ہماری آئندہ نسلوں کو علوم اور اخلاقیات کے اس تمام خزانہ سے محروم کر دیں گی جو دو تین صدیوں میں اردو زبان نے جمع کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسے حالات پیدا ہوئے تو ان کی ذمہ داری تمام تر ان شاخوں پر عائد ہوگی۔

جہاں تک مرکزی دفتر کا تعلق ہے وہ اپنے کار آزمودہ نمائندے ہر سمت میں بھیجنے کے لئے تیار ہے تاکہ شاخوں کی تنظیم اور ان کے باہمی ربط کو مستحکم کیا جائے۔ لیکن مرکزی انجمن کے مالی وسائل محدود ہیں اور اتنا سرمایہ انجمن کے پاس نہیں ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کے اخراجات کو برداشت کر سکے۔ اگر شاخیں پسند کریں اور جو شاخ چاہے مرکزی دفتر کے ایک نمائندے کو اپنے علاقے میں تنظیم کرنے کے لئے طلب کرے۔ مرکزی دفتر تربیت یافتہ اور تجربہ کار کارکنوں کو اس کام کے لئے تیار کرے گی۔

خود جنرل سکریٹری صاحب آئندہ موسم سرما میں ایک طویل دورہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمام ریاستوں کی شاخوں سے بہتر ربط قائم کیا جا سکے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری شاخیں اور ان کے مخلص کارکن ہمارے اس تبصرہ پر خاص توجہ کریں گے۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— دہلی میونسپل کمیٹی کی طرف سے بعض محلوں اور گلیوں پر ناموں کی جو نئی پلیٹیں اور بورڈ لگائے گئے ہیں۔ ان میں اردو کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ آزادی سے قبل یہ بورڈ انگریزی ہندی اور اردو میں ہوا کرتے تھے۔ آزادی کے بعد ان بورڈوں سے انگریزی کا اخراج تو بالکل قدرتی ہے اور ہمیں اس بات پر مسرت ہے کہ میونسپل کمیٹی نے یہ قدم اٹھایا۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان بورڈوں سے اردو کو کیوں نکال دیا گیا۔ ہم یہ تو ماننے کو تیار نہیں کہ میونسپل کمیٹی کے ارباب اختیار اس بات سے ناواقف ہیں کہ دہلی میں اردو ایک خاص حیثیت رکھتی ہے اور دہلی اردو کی جنم بھومی ہی نہیں بلکہ آج بھی اردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد کا وطن ہے۔ خود میونسپل کمیٹی کے بیانات کے مطابق دہلی کے اسکولوں اور کالجوں میں اردو میں تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ دہلی سے اردو اخبارات، رسائل اور کتابیں ہزاروں یا شاید لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ دہلی اسمبلی تیز..... دہلی میونسپل کمیٹی کا ایجنڈا اردو میں شائع ہوتا ہے۔ غرض دہلی اسٹیٹ میں اردو ثانوی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان بورڈوں میں اردو کو کیوں نظر انداز کیا گیا لیکن اب جب اردو کے ساتھ ایسی ناانصافی ہو چکی ہے تو دیکھنا ہے کہ ہماری نمائندہ میونسپل کمیٹی اس کی تلافی کی کیا شکل نکالتی ہے۔

——— اس سادہ دلی کو دیکھئے کہ میونسپل کمیٹی ہی سے تلافی کی توقع کی جا رہی ہے۔

خطبہ صدارت

صدر مجلس استقبالیہ امانت اللہ خاں صاحب انجینیر

(جو ۳۰ مئی کو اردو کانفرنس مہردنا ضلع دیوریا میں پڑھا گیا)

حضرات!

بغیر کسی رسمی تمہید کے میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اہل مہردنا کے لئے آج کا دن بہت ہی مبارک اور مسرت بخش ہے

میرا گاؤں مہردنا ہر چند کہ کوئی تاریخی اہمیت نہیں رکھتا پھر بھی یہاں کے لوگوں نے ہمیشہ ادبی کاموں میں دلچسپی لی ہے اس وقت بھی جبکہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب عظیم نے ہماری تہذیب کے شیرازے کو منتشر کر دیا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے استقلال کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئے تھے۔

حضرات! ہمارے گاؤں میں اردو ادب اور اس کی خدمت کا عام ذوق رہا ہے۔ تقسیم سے پہلے یہاں "انجمن ترقی اردو" کی شاخ تھی۔ جس کے قائم کرنے کے سلسلے میں ہمارے مکرم مولانا خیر بہوروی صاحب یہاں تشریف لائے تھے۔ اس وقت انجمن کا دفتر دہلی میں تھا اور خیر صاحب بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے دست راست تھے اور ہندوستان کے گوشے گوشے کا دورہ کر رہے تھے۔ یہاں ایک اردو لائبریری بھی تھی جس میں اردو کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ افسوس کہ ناسازگار حالات کی وجہ سے لائبریری بند ہو گئی۔ مگر پھر اس کے احیا کی سعی کی جا رہی ہے

اب حالات بدل گئے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ قدرتی طور پر ہماری تہذیب، معاشرت اور تعلیمی نظام میں بھی جھول آگیا ہے۔ اور ملک کی بدحالی یہ سب کچھ کرا رہی ہے۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انقلاب کے ساتھ ساتھ حالات کا تغیر ضروری ہوتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں کانفرنس کی تحریک کا خیال انھیں حالات کا پیدا کردہ ہے کیونکہ عزم زندگی کے نئے دھاروں کا خالق ہوتا ہے جن سے انسانیت پھولتی پھلتی اور پروان چڑھتی ہے۔

ہندوستان آج جمہوریت کی کھلی فضا میں سانس لے رہا ہے اور اس نظام نے ان اختلافات کی جو صدیوں سے ہمارے ملک کے ناسور بن گئے ہیں فنا کر دیا ہے۔ آج ہم آزاد ہیں اور ہم کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہے خواہ وہ آزادی رائے کی ہو یا ذہن و فکر کی۔ مگر افسوس کہ زبان کے معاملے میں ہماری غلامی بدستور ہے۔ اور اردو زبان کا مسئلہ جس کی وضاحت اس کی اہمیت کو تسلیم کرانے کے لیے ضروری ہے آج بھی تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہے جو پست ذہنیت اور خام شعور کی پیداوار ہے۔ اور بقول حضرت فراق "اردو الفاظ اور محاورات کو ترک کر دینے سے خود ہندی زبان میں کمی محسوس ہو رہی ہے اور اس سے زبان ہندی کو بے حد نقصان پہونچ رہا ہے"۔

اردو زبان کی ترقی و اشاعت میں جتنا حصہ مسلمانوں نے لیا ہے اس سے کم حصہ ہندوؤں نے نہیں لیا ہے۔

حضرات! ہم آپ کی زحمت فرمائی کا دوبارہ شکریہ ادا کرنے سے پہلے قاضی عبدالغفار صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کی جد و جہد میں مشغول ہیں۔ ہم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے بھی شکر گزار ہیں جو اردو کا حق دلانے کی سعی کر رہے ہیں۔ ان حضرات سے ہم کو توقعات ہیں اور تمام اردو والوں کو ان پر اعتماد ہے۔ ان شخصیتوں نے عین وقت پر اردو کو سہارا دیا ہے۔ یہ شخصیتیں اپنے وقار کا ایک وزن رکھتی ہیں اور حکومت کے ایوان میں بھی اور اس کے باہر بھی ان کی آواز پر غور کیا جاتا ہے۔

ان تمام دوستوں، ساتھیوں اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنی انتھک کوششوں سے کانفرنس کو کامیاب بنایا ہے۔

مگر کانفرنس کی کامیابی صحیح کامیابی اس وقت سمجھی جائے گی جب ہم اردو کی ترقی کی جد و جہد میں آگے بڑھتے رہیں اور اس کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کریں۔

تعلیم بالغان کا معقول انتظام کریں۔ گاؤں کے مدرسے کو ترقی دیں اور دوسرے گاؤں میں جا کر وہاں کے لوگوں کو اردو کی خدمت پر آمادہ کریں۔

اردو کو فروغ دیں۔ کتابیں خریدیں۔ اخبارات و رسائل سے اپنی دلچسپی بڑھائیں اور بچیوں کی تعلیم کا خصوصی انتظام کریں کیونکہ انھیں کے ذریعہ ہماری زبان باقی رہے گی۔

اہل مہردنا صدر جلسہ مولانا خیر بہوروی صاحب کے ممنون ہیں اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ جلسے کی کارروائی شروع کریں۔

ایک غزل کے چند شعر

بابو رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کے بعد ستیش مریا استوا ساحر عارفی گورکھپور کے دوسرے نوجوان ہندو شاعر ہیں جو اپنے مخصوص انداز فکر کی بدولت عن قریب شعرا کی صف میں اپنی ممتاز جگہ متعین کر لیں گے۔ ان کی غزل کے چند شعر پیش کرتا ہوں ——

ہوتا ہے محبت میں خود حسن یقیں پہلے
یہ مصلحتِ دل ہے جھکتی ہے جبیں پہلے

اس در کی جبیں سائی راس آ گئی سجدوں کو
ورنہ یہی سجدے تھے رسوائے جبیں پہلے

دل ان کی اداؤں کے انداز سمجھتا ہے
اقرار کے پردے میں ہوتی ہے نہیں پہلے

اس کفر کے جلوؤں نے چمکا دیا ایماں کو
ایسی تو نہ تھی زاہد آرائش دیں پہلے

اب قید تعین سے آزاد ہوں میں ساحر
ہاں سر تو جھکایا تھا اک بار کہیں پہلے

خطبہ صدارت

از نذیر بنارسی

(جو ۱۰ مئی کو ادبی اجلاس رتسر ضلع بلیا میں پڑھا گیا)

اردو نواز حضرات! —— آپ کی ادب پروری اور اردو زبان سے محبت لائق ستائش ہے اور یہ اجلاس اس بات کی ضمانت ہے کہ آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ "زبان کی خدمت سے بڑھ کر ملک اور قوم کی دوسری کوئی اور اہم خدمت نہیں ہے"

اس وقت اردو زبان پر جو نازک وقت آ پڑا ہے اور اس کے ساتھ چڑھتے سورج کی روشنی میں جو ناانصافیاں کی جا رہی ہیں اس کے متعلق چند سرسری اشارے کرنا چاہتا ہوں

دلی جہاں اردو نے جنم لیا اور پروان چڑھی وہاں سے اس کو زبردستی نکالا جا رہا ہے اور اردو پڑھنے والے بچوں پر ہندی کا بھاری بوجھ لگا دا لا جا رہا ہے۔

یوپی جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں ناانصافی کے معاملے میں سب سے آگے ہے۔ ۱۵ فروری ۱۹۵۴ء میں مرکزی انجمن نے ۲۲ لاکھ شہادتوں کے ساتھ اپنی عرض داشت صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کی تھی جس کو سال بھر سے زیادہ ہو گیا اس کا کوئی جواب ابھی تک حکومت کی طرف سے وصول نہیں ہوا نہ بظاہر کوئی امید ہے۔

سی پی میں بھی اردو کا حال اچھا نہیں ہے۔ میسور میں بھی اردو کے کئی ہزار اسکول بند کر دئے گئے۔ اب آندھرا کی باری ہے۔

یہ برتاؤ اس زبان کے ساتھ ہو رہا ہے جو دستور میں اپنا جائز حق رکھتی ہے اور جو ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں میں تیسری مقبول زبان ہے جس کے ثبوت میں ہندوستان کی گیارہ زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات کی تعداد پیش کرتا ہوں۔

ہندی کے	۱۷۰
انگریزی کے	۷۴
اردو کے	۱۸۰
بنگالی کے	۳۴
مرہٹی کے	۵۲
تامل کے	۱۵
ملیالم کے	
تلگو کے	۸

کنڑی کے	۲۸
گجراتی کے	۴۹
گورمکھی کے	۴۲

اردو کے اخبارات ورسائل کی مجموعی تعداد ۷۵۵ ہے اور یہ تعداد ہندی اور انگریزی کے بعد دوسری تمام زبانوں میں چھپنے والے اخبارات ورسائل سے زیادہ ہے۔

حضرات! آپ نے غور کیا کہ ایسی مقبول زبان پر یہ ظلم کیوں ہو رہا ہے اور اس کے پیچھے کون سی قوت اپنا کام کر رہی ہے؟ اس سلسلے میں میں خود کچھ کہنا نہیں چاہتا تاریخ کے صفحات سے پوچھئے۔

جب کوئی قوم کسی قوم کو فنا کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے اس کی زبان کو ختم کرنے کی فکر کرتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ جب زبان ختم ہو جائے گی تو وہ

خود بخود اپنی تہذیب، معاشرت اور تمدن سے بے خبر ہو کر اس اکثریت میں جذب ہو جائے گی۔ جس کی زبان کا غلبہ ہوگا۔"

حضرات! اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنی بربادی کے محضر پر اپنے قلم سے دستخط کیجئے، یا اس بات کا فیصلہ کر کے اٹھئے کہ ہندی جو اس ملک کی سرکاری زبان ہے اور جس سے ہم کو کوئی بیر نہیں ہے اس میں اپنے بزرگ عبدالرحیم خان خاناں بیڈ ہیم رکھان اور ملک محمد جائسی کی طرح کمال پیدا کریں گے مگر اپنی مادری زبان اردو پر بھی کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ اس لئے کہ زبان کا حشر وہی ہوتا ہے جو اس کے بولنے والوں کا ہوتا ہے۔

میں ممنون ہوں کہ آپ نے مجھ جیسے ناچیز کو ایسے اہم جلسے کی صدارت کے لئے منتخب فرمایا جس میں اردو کے محسن بھائی قمر بھوپالی صاحب تشریف فرما ہیں جن کی افتتاحی تقریر اردو زبان کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور جن کا نام اردو کے ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے اور جن کی زندگی کا مقصد ہی زبان کی خدمت اشاعت اور اس کی بقا کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو ایسے ہی اصحاب کی بدولت پروان چڑھی پھلی پھولی اور زندہ رہے گی۔

چلتے چلتے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں یہاں سے اٹھئے تو کام کی دھن لے کر اٹھئے

گاؤں گاؤں میں مکتب، مدرسے اور بالغوں کی تعلیم کے لئے شبینہ اسکول قائم کیجئے، خصوصیت کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا معقول اور مناسب انتظام کیجئے۔ کیونکہ انھیں کی بدولت اردو زبان ہمارے گھروں میں باقی رہے گی اور انھیں کی گود زبان کی حفاظت کا قلعہ ثابت ہوتی ہے

خطبہ صدارت

صدر مجلس استقبالیہ وکیل احمد صاحب بلیاوی بی۔ ایس۔ سی (علیگ) جو اسر مئی ۵۵ء کو ضلع بلیا کے ادبی کانفرنس میں صغیر احمد صاحب بلیاوی بی۔ ایس۔ سی۔ ایل (علیگ) نے صدر کی علالت کی سبب سے پڑھا۔

صدر محترم و مہمانان عزیز! میں اپنی ہر قسم کی کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ اہل رسڑ کی طرف سے آپ حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں

حضرات! اردو زبان کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا جا رہا ہے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو عوامی تحریک کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ عوام صورت حال سے آگاہ ہو کر اپنی انفرادی کوششوں کو اجتماعی شکل میں بدل دیں۔ اسی خیال کو ذہن میں رکھ کر یہ کانفرنس کی جا رہی ہے زبان کا مسئلہ صرف زبان ہی کا مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ تہذیب و ثقافت کا بھی مسئلہ ہوتا ہے اور اردو زبان تو تہذیب و ثقافت کا طرۂ امتیاز ہے جس میں نہ صرف ہندوستان کی مشترکہ تہذیب شامل ہے بلکہ ہندوستانی قوم کی تقدیر بھی اس میں شریک ہو گئی ہے۔

ہندی جو اس ملک کی سرکاری زبان ہے ہم نے اس کا خیر مقدم کیا ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جب یہ سرکاری زبان نہیں تھی جب بھی ہمارے اسلاف نے اس کا سر اونچا کیا تھا۔ دنیا میں ہمیشہ ایک دوسرے سے مستفید ہوتی ہیں۔ اسی لئے ماہرین لسانیات کا فیصلہ ہے کہ ہندی کی ترقی اردو کی ترقی اور اردو کی خدمت ہندی کی خدمت ہے۔

حضرات! آخر میں صدر مکرم اور آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنے بزرگوں میں محمد اسحاق صاحب اور سراج الحق صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے ہماری سرپرستی فرمائی۔ ہدایت اللہ صاحب اور صالحین صاحب جنھوں نے آسام میں چندے کی فراہمی کا مشکل کام انجام دیا۔ ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔ بدرالدین صاحب اور محمود عالم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے یہ کانفرنس کامیاب ہوئی۔ سب سے زیادہ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کانفرنس کی بھرپور مخالفت کی اور اس کی راہ میں ہر قسم کے روڑے اٹکائے اور حقیقت یہ ہے کہ انھیں روڑوں نے ہمارے عزم اور ارادہ میں زندگی کی روح پھونکی۔

یہ زبان کا مسئلہ

(از ، وقار احمد رضوی)

الجمعیۃ کے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۲۶ جون ۱۹۵۵ء میں اردو کے متعلق اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ چند سطور اسی سلسلے میں لکھی جا رہی ہیں۔

مذکورہ اشاعت میں "کچھ اردو کے متعلق" جو مضمون شائع ہوا ہے۔ اس سے لسانی نظریہ کے متعلق ایک عجیب و غریب نقطۂ نگاہ کا آغاز ہوتا ہے۔ "اردو ہندو مسلمان دونوں کا مشترکہ سرمایہ ہے" "وہ ہماری مشترکہ تہذیب اور متحدہ قومیت کا ضامن ہے" کے بجائے "اردو مسلمانوں کی زبان ہے" کا نعرہ اس لئے بلند کرنا کہ پچھلے پندرہ برس کی لسانیاتی جدوجہد میں رکھنے کو پندرہ برس کہہ لیجئے۔ ورنہ دراصل غور سے دیکھا جائے تو یہ ۸۰۰ سالہ اس عظیم مشترکہ لسانیاتی تحریک عمل کی آواز بازگشت ہے جس کے اٹھانے میں کبیر، تلسی اور سورداس نے ایک خاص رول ادا کیا ہے (معاندین نے اس کو "قدر مشترک" کی حیثیت دینے سے انکار کیا ہے

فکری ناعاقبت اندیشی یا زیادہ تشریحی الفاظ میں "جراءت رندانہ" سے کم نہیں، یہ اعتراف شکست، عزم و عمل کا انحطاطی رجحان اور شعوری تذبذب کا انفعال ہے۔ فکر و عزم کے عرصۂ عمل میں فرار سے اپنی مرکزیت سے جو اس وقت ہوتی ہے جب انسانی فکر و عمل میں بحرانی کیفیت اور حوصلہ و جہاد روح مجاہدہ کا دامن ایک قسم کی درماندگی اور شکستگی سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ جب عرصۂ جنگ میں سپاہ کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں تو اسی سے اسی قسم کے اضطراری میلانات کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ آج زبان کے مسئلہ کو قومی اور تہذیبی سے زیادہ سیاسی حیثیت دینے کی ضرورت ہے۔ گروہی اور جماعتی تباہ نہ سے یہ مسئلہ اسی طرح دب کر رہ جائے گا۔ جس طرح اور بہت سی جذباتی تحریکیں، اسی ارض ہند کی خاک میں دفن ہو چکی ہیں۔ اگر کسی فرقے یا جماعت کے مذہبی، قومی تہذیبی اور لسانی عوامل کے زندہ رہنے کا سوال ہو تو یقیناً ایک سیکولر اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ ان کو زندہ رہنے کے مواقع دے نہ کہ وہ ان کا تحفظ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے بقا کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے اور آج ملک کا بہترین دماغ اور قوم کا بیدار مغز طبقہ اپنی مذہبی روایات کو برقرار رکھنے اور اس کے حفظ و بقا کے لئے پوری کوشش سے برسر عمل ہے۔ اگر آپ کا مذہب، آپ کی تہذیب اور آپ کی زبان خود آپ ہی کے ہاتھوں سے خودکشی کر رہی ہے تو کسی بھی سیکولر اسٹیٹ کا یہ فرض نہیں کہ وہ آپ کو آپ کے فعل سے چھڑائے اور اس کی حفاظت کرے یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی جماعتی زندگی کو ہر اعتبار سے منظم و مربوط رکھیں۔

اگر حکومت سے اردو کے تحفظ کا مطالبہ اس حیثیت سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی زبان ہے، تو کل دلی اور یوپی میں مہاراشٹر آندھرا، گجرات، سندھ اور پنجاب کے رہنے والے طلباء یہاں کے تعلیمی نظام میں اپنی مادری زبانوں یعنی مرہٹی، تیلگو، گجراتی، سندھی اور پنجابی کو بھی ایک لازمی سب جیکٹ دینے کے لئے ان کے تحفظ کا مطالبہ حکومت سے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اردو کی طرح (اگر اردو کو ایک فرقہ کی زبان تسلیم کیا جائے گو حقیقتاً ایسا نہیں) ہندوستان کے چند مخصوص فرقوں کی زبانیں ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے، ایک بہت بڑی شعوری اور سیاسی لغزش ہے۔ اردو ہمیشہ سے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار رہی ہے اس کی نشو و نما میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب نے تقریباً مساوی حصہ لیا ہے، اور اگر اردو ادب کی تاریخ کے ابتدائی اوراق کو نہایت تفتیش و تحقیق کے ساتھ کھنگالا جائے تو یہ بات واضح شکل میں سامنے آجاتی ہے کہ اردو تاریخ کا ابتدائیہ بڑی حد تک ہندو اردو دوستی کا مرہون منت ہے، اور ان میں بعض ہندو بزرگ ہستیاں ایسی ملتی ہیں کہ زبان کی ارتقائی تحریک میں، جن کی خدمات ایک خاص مقام کا مطالبہ کرتی ہیں، اور پھر کون ذی شعور ایسا ہے جس نے اردو کو ہندو مسلمان دونوں کا مشترکہ سرمایہ تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ ملک بلکہ ایشیا کے محبوب اور مقبول ترین رہنما پنڈت نہرو، آنجہانی سبھاش چندر بوس اور آنجہانی سر تیج بہادر سپرو اس سلسلے میں مختلف موقعوں پر اردو زبان کو مشترکہ حیثیت دینے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ خود گاندھی جی اردو کو ہندو مسلمانوں کی مشترک زبان مانتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کو "ہندوستانی" کہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خود انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی وزارت کے زمانے میں ملک کی مختلف زبانوں کا جو نقشہ شائع کیا تھا اس میں اس نے اردو کو سات صوبوں کی علاقائی زبان تسلیم کیا ہے جس میں یوپی اور دلی بھی شامل ہیں۔ یاد رہے کہ یوپی میں جب اردو کا مسئلہ شروع شروع اٹھا تھا تو جنوری ۱۹۵۳ء میں الجمعیۃ (سنڈے ایڈیشن) کے رہنما کالموں میں اسی موضوع پر میں ایک مبسوط مقالہ سپرد قلم کر چکا ہوں جس سے ہندو اردو دوستی کے اس پہلو پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ بہرکیف غلط ہے کہ ہندوؤں نے اردو کو مشترکہ حیثیت دینے سے انکار کیا ہے۔ بر عکس اس کے تاریخی

دہلوی، اشن لکھنوی اور آنند نرائن ملا۔ آج بھی کھلے ہوئے جلسوں میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں، چند فرقہ پرست اور رجعت پسند شخصیتوں کے مخصوص گروہ، جو بدقسمتی سے برسر اقتدار بھی ہے، کے لئے بطلان حقیقت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت کے منفی پہلو کو مثبت بنا لیا جائے آج بھی ہم کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے یہ حقیقت ہے کہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اور یقیناً ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ زبان کے سلسلے میں ہماری مشترکہ جدوجہد میں تیزگامی، شدت اور تیز رفتاری ضرور آجانا چاہئے اب جبکہ یہ مسئلہ دلی (جو ایک حیثیت سے اردو کا گہوارہ رہ چکی ہے) میں بھی اٹھ چکا ہے تو ضرورت ہے کہ لسانیاتی تحریک کے اس ڈگر کو چھوڑ کر جو یوپی میں اختیار کیا گیا تھا۔ اس کو عوامی تحریک بنایا جائے۔ میں نے یہی بات انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دلی کے اس عظیم الشان نمائندہ اجتماع میں (جو صوبائی حکومت دلی) کی زبان کے سلسلے میں حالیہ پالیسی کے خلاف احتجاج کے لئے مولانا حفظ الرحمن صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا تھا اور جس میں صوبہ کے ذمہ دار حضرات اور اصحاب ذوالجود وسائل کے علاوہ دلی کا پورا صحافی اور ادبی طبقہ شریک تھا) کہا تھا اور آج بھی پرزور طریقے سے کہتا ہوں کہ اب جبکہ زبان کا مسئلہ ملک گیر فرقہ پرستی کا شاخسانہ بن رہا ہے، زبان کے مسئلہ کو "مخصوص دائرے" سے نکال کر "عوامی تحریک" بنانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ دلی میں بھی اردو کا وہی حشر ہوگا جو آج یوپی میں ہو رہا ہے۔ "عظیم شخصیتوں" کی تائید اس تحریک کے لئے اس قدر مفید ثابت نہیں ہو سکتی جتنا کہ عوامی ہمدردی اور اور ان میں بھی خصوصاً نوجوانوں کے عزم و ارادہ کی طاقت بالا و بر ہے۔ میری رائے ہے کہ زبان کے مسئلے کو صرف عظیم شخصیتوں پر منحصر نہ کر دیا جائے۔ میں اگر جرات نہیں کر رہا ہوں تو یہ صحیح ہے کہ وہ لوگ قانونی شکنجوں میں، الجھنوں، اخلاقی پابندیوں اور انفرادی یا شخصی سود و زیاں کے اندیشے و خیال کی زنجیروں میں ایسے گرفتار ہیں کہ شاید اس سے خلاصی ان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ مجھے ان عظیم شخصیتوں کی عظمت پر اعتماد نہیں، لیکن ہمارے سامنے یوپی کی لسانی تحریک کے وہ نتائج ہیں جن تک پہنچنے میں ان عظیم شخصیتوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے میرا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس تحریک کو عظیم شخصیتوں سے الگ رکھا جائے بلکہ میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ عظیم انسان کو کسی بھی تحریک کے کچلے جانے کا اتنا خوف نہیں ہوا کرتا جتنا کہ اس کو اپنی عظیم شخصیت کی مرتبت و جلالت کی پاسداری کا۔ میرا خیال ہے کہ ان عظیم شخصیتوں کی عملی تائید کے ساتھ اگر اس تحریک کو جوان ہمت و ارادہ کی ولولہ انگیز ہمدردیاں بھی حاصل ہو جائیں تو اس تحریک کا درخت بہت جلد برگ و بار لا سکتا ہے اور دلی میں اس قسم کا ماحول پیدا

سمجھتا ہوں، آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے سنہ ۲۰ء کی خلافت تحریک کی طرح اگر آج زبان کے مسئلہ کو بھی وقت کے ایک تہذیبی و قومی اہم سوال کی حیثیت سے ملک کی عظیم اکثریت کی ہمدردیاں حاصل کر کے اس کو ملک گیر عوامی تحریک بنایا جائے اور ہم سب بغیر امتیاز ملت و مذہب اس کے بقا و تحفظ کے لئے خلوص نیت سے سر دھڑ کی بازی لگا دیں تو یقیناً بہت جلد کامیابی حاصل ہوگی۔

ترویج ہندی کی کمیٹی کی توجہ کیلئے دو باتیں

(محمد عابد لیاری، حیدرآباد دکن)

مسٹر بی۔ جی کھیر کی صدارت میں "ہندی" زبان کی ترویج اور اس کو مقبول بنانے کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا اعلان ہو چکا ہے۔ اس موقع پر ہر ہندوستانی کی یہ تمنا ہوگی کہ سرکاری زبان "ہندی" کی بہر طور ترقی ہونی چاہئے اور اس کو تمام ملک کی مقبول الکلام زبان ہونے کا درجہ ملنا چاہئے۔

میں ان لوگوں میں شامل ہوں جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری زبانوں کے مقابل اس زبان کو بہت جلد ترقی اور مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو سرکاری زبان ہوتی ہے۔ اب جبکہ "ہندی" سرکاری زبان تسلیم کر لی گئی ہے تو اس کی ترقی کا ہونا ناگزیر ہے۔ آج نہیں تو کل۔ کل نہیں تو پرسوں۔ بہر صورت اس کو وہ درجہ حاصل ہو جائے گا جس کی امید کی جاتی ہے۔

سرکاری زبان کو ترقی ہونے کا ثبوت خود انگریزی زبان سے مل سکتا ہے۔ انگریزوں نے پہلے اپنی سرکاری زبان فارسی اور اردو کو بنائی لیکن اس کے بعد میکالے کی اسکیم کے تحت انگریزی زبان سرکاری زبان ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہندوستان میں انگریزی زبان بہ الفاظ پنڈت جواہر لال سوتیلی ماں کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے اور حکومت مجبور ہے کہ آئندہ پندرہ سال تک اس کو بدستور باقی رکھا جائے۔ ایک طرف تو پندرہ سال کی مدت انگریزی زبان کے لئے قائم کی گئی ہے۔ لیکن مدراس میں ابھی تک انگریزی کو دوسری زبانوں کے مقابل میں امتیاز دیا جا رہا ہے جیسی کہ عثمانیہ یونیورسٹی سے بھی اپنی دیسی زبان اردو کو خارج کر کے انگریزی کو مسلط کر دیا گیا ہے۔

یہ امر تسلیم کر لیا جائے گا کہ "ہندی" زبان میں کاروبار کرنا اس شخص کے لئے آسان ہے جو اردو جانتا ہے اور اردو داں شخص جلد ہندی کا ماہر بن سکتا ہے یہ بات انگریزی جاننے والوں کے لئے دشوار ہے۔ جو شخص سرکاری کاروبار اردو میں

میں انجام دیتا ہے وہ ہندی میں جلد انجام دے سکے گا۔ بہ نسبت اس شخص کے جو انگریزی میں کاروبار انجام دیتا ہے۔

لہذا ارباب کمیٹی کو اس بات پر توجہ کرنی چاہئے کہ جہاں پہلے اردو میں کام ہوتا تھا اس کو انگریزی میں تبدیل کر کے ہندی کی ترویج میں جو رکاوٹ پیدا کردی گئی ہے اس کو دور کیا جائے۔

حیدرآباد میں سرکاری کاروبار کا آغاز زبان اردو میں ۱۸۸۴ء سے ہوا یعنی آج سے تقریباً ۷۰ سال پہلے اور پھر اس کے پندرہ سال بعد یعنی ۱۸۹۹ء میں مکمل طور پر تمام دفاتر اردو میں کر دئے گئے تھے یعنی ۷۰ سال تک اردو یہاں کی سرکاری زبان رہی اور تمام ابتدائی وسطانی اور فوقانی مدارس کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی میں اردو میں تعلیم ہوتی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ یونیورسٹی سے کامیاب ہونے والوں میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ رہی۔ چونکہ حکومت کی زبان عام طور سے اردو تھی اور شہر کے علاوہ اضلاع اور دیہات میں بھی اردو کا رواج تھا اس کے باعث مرد تو مرد دیہات کی عورتیں بھی اردو سے واقف تھیں۔ یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ بچشم خود دیکھی ہوئی بات ہے۔

حیدرآباد میں ہندی کی تائید میں چاہئے تو یہ تھا کہ تمام دفاتر بدستور اردو میں رکھے جاتے تاکہ جب وہ زمانہ آتا جبکہ ہندی سرکاری زبان کی حیثیت سے دفاتر میں رائج ہوتی تو آسانی ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ پولس ایکشن کے بعد دفاتر سے مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنے کی جانب پوری توجہ کی گئی اور ان کی جگہ حیدرآباد سے باہر مدراس، میسور، بمبئی کے لوگوں کو تمام دفاتر میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں اضافہ کیا گیا جو اردو زبان سے ناواقف تھے۔ اس لئے ان کی خاطر تمام دفاتر انگریزی میں کردئے گئے حتی کہ شہر حیدرآباد میں باوجود (۵۵) فی صد مسلمان ہونے اور تقریباً (۲۰) فی صد ہندوؤں کی مادری زبان اردو ہونے کے تمام دفاتر اور کالجوں اور دواخانوں کے بورڈ تک انگریزی میں کردئے گئے۔ یہ صرف اس جذبہ کے تحت ہوا کہ پہلی حکومت کے خلاف کاروبار ہو سکے۔

بہر حال ہندی کی ترویج کے لئے اردو سے دوستی ضروری ہے اور انگریزی کے مقابلہ میں اردو کو اس کا جائز حق دینا چاہئے

ایک اور بات یہ نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ جو فلم اردو میں ہوتے ہیں (اگرچہ حکومت کی اصطلاح میں وہ ہندی ہوتے ہیں) عام طور سے مقبول ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو اردو یا ہندی نہیں جانتے وہ بھی شوق سے ایسے فلم دیکھا کرتے ہیں۔ لہذا حکومت کو چاہئے کہ ایسے فلم کی سرپرستی کی جائے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں اردو یا ہندی فلم بنانے کی ہمت افزائی کی جائے۔

صوبہ مدراس جہاں ہندی کی سب سے زیادہ مخالفت ہوتی ہے وہاں ایک زمانہ تھا کہ اردو عام تھی حتی کہ مدراس کا پہلا اردو شاعر ایک ہندو شخص تھا جس کا تخلص لشتی تھا۔ جو نواب سعادت اللہ خان کی سرکار سے وابستہ تھا۔ اس سے واضح ہے کہ مدراس میں اردو کو کافی مقبولیت تھی۔

بہرحال ارباب کمیٹی کو ہندی کے ترویج کے لئے غور و خوص کرنے کے لئے اردو دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی ضرورت ہے۔

سکریٹری صوبائی کمیٹی اتر پردیش کا ایک گشتی مراسلہ

اردو کی دستخطی مہم کے بعد ہم ایک اور اتنی ہی زبردست مہم شروع کرنے جارہے ہیں اور اگر آپ کا اشتراک عمل ہم کو حاصل ہو گیا تو یقین ہے کہ اس مہم میں بھی اتنی ہی کامیابی ہوگی جتنی دستخطی مہم میں ہوئی تھی اور ایک لحاظ سے یہ بہتر رہے گی کیونکہ اس کا پھل ہم کو فوراً ہی مل جائے گا۔ وہ ہے اسکولی مہم۔ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ اب کی جولائی میں بیسک اسکولوں میں ۴ لاکھ بچے ایسے داخل کرادیں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ اگر ہم نے ایسا کردیا تو ایک دم سے اردو کی جڑیں اتر پردیس میں پھر پیوست ہو جائیں گی۔ اسی مہم کا ایک دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم جابجا شبینہ مدارس بھی قائم کریں جن میں ان پڑھ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھلایا جائے۔

اس نئی مہم کا فیصلہ اردو کانفرنس بستی میں کیا گیا جہاں کہ اتر پردیش کے اضلاع کے نمائندے شریک تھے اور سب نے اس کام کی ذمہ داری انجمن ترقی اردو اتر پردیش پر ڈالی اور اس نے خوشی سے یہ بوجھ اٹھا لیا۔

وضاحت کی غرض سے ہم پہلے دستخطی مہم اور اس کے نتیجوں پر روشنی ڈالیں گے اور پھر یہ بتلائیں گے کہ اس کے تجربوں کی روشنی میں اسکولی مہم اور تعلیمی مہم کیسے چلائی جاسکتی ہے۔

دستخطی مہم جب ہم نے اعلان کیا ہے کہ ہم بیس لاکھ بالغوں کے دستخطوں سے صدر جمہوریہ کی خدمت میں یہ درخواست لے جائیں گے کہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان مان لیا جائے تو یقین نہیں آتا تھا کہ اتنا بڑا کام انجام پا سکتا ہے۔ لیکن جب جم کر کام کیا گیا تو کل ریاست میں ۸۵۰۰ مرکز قائم ہوگئے اور ۵۰۰۰ کارکنوں نے ان میں کام کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ساڑھے بیس لاکھ سے زائد بالغوں کے دستخط لے کر صدر جمہوریہ کی خدمت میں گئے اور درخواست پیش کی۔

دستخطی مہم کا نتیجہ

اس درخواست کا صدر جمہوریہ کی طرف سے ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا، لیکن اس کے بعد حکومت اتر پردیش کا رویہ بہت بدل گیا ہے۔ اس نے ایک سرکلر میں واضح طور پر اس بات کا اعلان کیا کہ جس اسکول میں چالیس یا جس اسکول کے کسی کلاس میں دس بچے ایسے ہوں جن کی مادری زبان اردو ہو، ان کو ابتدائی تعلیم اردو میں دی جائے گی۔

ساتھ ساتھ اب کی حکومت نے بجٹ کی تقریر میں ان باتوں کو تسلیم بھی کر لیا ہے کہ اتر پردیش کے بہت سے لوگوں کی مادری زبان اردو ہے۔ اس لئے اس کو ترقی کے مواقع دئے جائیں گے۔

بستی کی مثال

گزشتہ جولائی میں بستی میں مذکورہ سرکلر سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک بہت زبردست جدوجہد کی گئی ہے۔ گاؤں گاؤں کمیٹیاں بنائی گئیں۔ جنھوں نے چالیس چالیس کی درخواستیں مرتب کرائیں۔ پھر ان بچوں کے داخلہ کے دن اسکولوں میں گئے اور ان کو داخل کرایا۔ اس طرح ۲۱۰ اسکولوں میں اردو رائج کر دی گئی۔

اسکولی مہم

اسی طرح کی تحریک اب ہم کو ساری ریاست میں چلانا ہے۔ ہر اس حلقے میں جہاں کوئی بیسک اسکول ہو، ایک کمیٹی بنا دینا ہے۔ اس کمیٹی کے ممبران گھر گھر جا کر پتہ لگائیں گے کہ وہاں کوئی بچہ ایسا تو نہیں ہے جو اسکولوں کے پہلے یا دوسرے درجے میں پڑھتا ہو۔ یا اس سال داخلہ لینے والا ہو۔ جہاں ایسا بچہ ہو اس کے سرپرست سے ایک درخواست پر جس پر لکھا ہو کہ میرے بچے کی مادری زبان اردو ہے۔ اس لئے اس کو ابتدائی تعلیم اردو میں دی جائے، دستخط لے لیں اور جب درخواست مرتب ہو جائے تو اپنے پاس رکھ لیں۔ پھر جولائی میں جس تاریخ کو اسکول کھلے وہ سب سرپرستوں اور بچوں کو اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس لے کر جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ بچوں کو داخل کریں اور ان کے لئے اردو میں تعلیم دینے کا بندوبست کریں۔ اگر ہیڈ ماسٹر کوئی عذر کریں تو ہم کو اس کی اطلاع دیں۔ اس کے آگے کارروائی ہم کریں گے۔

کام کیسے شروع کریں

اگر آپ اس کام کو شروع کرنا پسند فرمائیں تو فوراً آٹھ دس اردو دوستوں کی ایک کمیٹی بنا لیں اور اس بات کا جائزہ لیں کہ آپ کے حلقے میں جو بیسک اسکول ہیں اس میں بچے کہاں کہاں سے آتے ہیں اور پھر ایک طرف سے گھر گھر جا کر درخواست پر دستخط حاصل کرنا شروع کر دیں۔

کام کرنے کے لئے اگر مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو ملاحظہ فرمائیے ہمارے کتابچے۔

(۱) اسکولی مہم کی تنظیم ——— (۲) سرپرستوں سے گزارش

درخواست کے فارم بھی چھپے ہوئے ہمارے یہاں سے مل سکتے ہیں۔

تعلیمی مہم

دوسری مہم تعلیمی مہم یا شبینہ مدارس کا قیام ہے۔ آپ چاہیں تو دونوں کام ایک ساتھ کر سکتے ہیں۔ ورنہ جو پسند آئے صرف وہی کیجئے۔

میں نے چودہ سال کی لگاتار محنت سے اردو پڑھنا لکھنا سکھلانے کا ایک قاعدہ تیار کیا ہے جس سے بالغوں کو بیس گھنٹے اور بچوں کو تیس گھنٹے میں پڑھنا لکھنا سکھلایا جا سکتا ہے۔ اس کو ہر شخص پڑھا سکتا ہے۔ یعنی اس کے پڑھانے کا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جو بلا سیکھے نہ آ سکتا ہو۔ بلکہ ہوشیار طالب علم تو بلا استاد کی مدد کے بھی پڑھ سکتا ہے۔ قاعدہ دلچسپ اتنا ہے کہ طالب علم کو اس میں وہی لطف آتا ہے جو پہیلیاں پوچھنے اور ان کے حل کرنے میں۔ اس قاعدہ کو ختم کرنے کے بعد طالب علم روانی سے اردو پڑھ سکتا ہے اور معمولی خط لکھ سکتا ہے۔ اس میں الف بے پڑھانے، ہجے کروانے اور تختی لکھوانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہ قاعدہ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے ایک تحریک بن سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ہر پڑھے لکھے کو استاد بنا دیتا ہے۔ جو اپنے خالی وقت میں لوگوں کو پڑھا سکتا ہے۔ ان پڑھ بالغوں میں رفتہ رفتہ یہ سن کر کہ دس دن میں پڑھنا لکھنا آجاتا ہے وہ بھی بہت دلچسپ طریقے سے، پڑھنے لکھنے کا ذوق و شوق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ استاد کے پاس جوق جوق آنے لگتے ہیں۔ ایک استاد ہر مہینے میں آسانی سے تیس طالب علموں کو پڑھا لکھا بنا دیتا ہے۔ یعنی چار مہینے میں اس کے محلے میں تقریباً سو ان پڑھ پڑھنا لکھنا سیکھ جاتے ہیں اور پھر وہ اردو کے اور اپنے مدرسے کے بہت اچھے کارکن بن جاتے ہیں۔

مدرسے کی یہ کامیابی دیکھ کر محلے والوں کو اس سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کی ترقی کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔

جو استاد خالی وقت میں پڑھاتا ہے اس کی پندرہ سے لیکر تیس روپے ماہوار تک آمدنی بھی ہو جاتی ہے، وہ یوں کہ جن طالب علموں کو پڑھنا لکھنا آجاتا ہے اور دو تین مہینے میں مشق بھی ہو جاتی ہے ان کا امتحان لیا جاتا ہے اور کامیاب طالب علموں کو ایک [illegible] فیس لیکر سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے اور اس طرح جو آمدنی ہوتی ہے وہ سب اس مدرس کو دے دی جاتی ہے جس نے ان طالب علموں کو پڑھایا تھا۔ تجربہ بتلاتا ہے کہ لوگ سرٹیفکٹ بڑے شوق سے لیتے ہیں اور اس کے ایک روپیہ دینا ان کو کھلتا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سرٹیفکٹ سے اپنے خاندان اور ساتھیوں میں ان کی عزت ایک دم سے بڑھ جاتی ہے۔

بالغوں کے مدرسے جہاں بھی قائم کئے گئے کامیابی ہوئی لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ ایسے مدرسے میں کسی حال میں بھی ایسے طالب علم کو نہ داخل کیا جائے جس کا سن اٹھارہ برس سے کم ہو یا چہرے سے لڑکا معلوم ہوتا ہو، کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو رفتہ رفتہ بالغ طالب علموں کا آنا بند ہو جاتا ہے

اسی طرح بچوں کا مدرسہ جو قائم کیا جائے وہ بھی کامیاب ہو سکتا ہے، یہ مدرسہ ان بچوں کے لئے خاص طور سے مفید ہے جو تیسری یا چوتھی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ مگر اردو بالکل نہیں جانتے۔ ان کو ان کی مادری زبان کی تعلیم اس طرح دی جا سکتی ہے۔

تعلیمی مہم کی جدوجہد کا ہم آغاز کر چکے ہیں اور کامیابی بھی ہوئی ہے۔ اگر یہ تحریک پوری طرح پھیل گئی تو صرف اردو ہی کا مسئلہ نہیں حل ہوگا بلکہ لوگوں میں تعمیری جوش و خروش پھیل جائے گا۔ ان کی ہمتیں بہت بلند ہو جائیں گی اور ایک زبردست تعمیری جماعت بن جائے گی۔ جو تعلیم و ترقی کے سلسلے میں بڑے بڑے کام کر سکے گی۔

یہ کام ہے تو بہت عظیم الشان، لیکن آپ اس میں بہت آسانی سے حصہ لے سکتے ہیں۔ وہ یوں کہ کسی محلے میں خود یا کسی صاحب کی مدد سے ایک شبینہ مدرسہ کھول دیجئے جس میں قاعدہ "دس دن میں اردو" کے ذریعے تعلیم دی جائے۔ ایک مہینہ خاص توجہ دینے کی ضرورت پڑے گی، پھر مدرسہ خود چلنے لگے گا اور دو تین مہینے کے بعد تو اس کی کامیابی کو دیکھ کر اور مدرسے بھی قائم ہو جائیں گے۔ جو حضرات بالغوں یا بچوں کے لئے شبینہ مدرسہ قائم کریں گے ان کو محافظ اردو کی سند دی جائے گی۔ تعلیمی مہم میں حصہ لینے کی آسان تر صورتیں بھی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) صرف دو طالب علموں کو پڑھنا لکھنا سکھلا دیا جائے جو صاحب یہ خدمت انجام دیں گے ان کی خدمت میں حامی اردو کی سند پیش کی جائے گی۔

(۲) دس آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سکھلا دیا جائے۔ جو صاحب یہ خدمت انجام دیں گے ان کی خدمت میں کارکن اردو کی سند پیش کی جائے گی۔

طریقہ کار آپ جن طالب علموں کو منتخب کریں ان کے نام اور کسی اسکول کے دو ٹیچروں کا ان کے بارے میں یہ تصدیق نامہ کہ وہ ان پڑھ ہیں ہم کو بھیج دیں۔ پھر جب یہ طالب علم پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں تو ان ہی ٹیچروں کا تصدیق نامہ اس مضمون کا بھیج دیں کہ ان طالب علموں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے پھر ہم آپ کی خدمت میں سند بھیج دیں گے اور اگر طالب علم چاہیں گے تو ان کو بھی اردو خواں کی سند دے دی جائے گی۔

قاعدہ "دس دن میں اردو" بہت خوشنما چھپا ہے۔ اس میں ساڑھے تین سو کے قریب تصویریں ہیں۔ بچوں اور بالغوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ (قیمت ۸/) اس کے ساتھ لکھائی کا قاعدہ بھی ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں (قیمت ۳/) اگر ان دونوں کے ساتھ تعلیمی چارٹ بھی استعمال کئے جائیں تو طالب علموں کو سبق بات کی بات میں یاد ہو جاتا ہے۔ اور رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے یہ چارٹ تعداد میں چار ہیں۔ اور ان کی قیمت ۴/ (ڈیڑھ پیسے فی چارٹ) کلاس میں ان کا ایک سٹ ہونا ضروری ہے۔

چونکہ کتاب بہت جلد ختم ہو جاتی ہے اس لئے وہ پھٹنے نہیں پاتی ہے۔ اور ایک کتاب سے کئی طالب علم یکے بعد دیگرے پڑھ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے یہ کتابچے ہم سے مفت منگوائیے۔

(۱) دس دن میں اردو کیسے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ اس قاعدے میں اتنی تیز رفتاری کیسے آگئی اور اس طریقہ تعلیم کی بنیاد کیا ہے۔

(۲) اردو تعلیمی مہم۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ ہر گھر کو اردو گھر کیسے بنایا جا سکتا ہے اور کس طرح ۵ سال میں ۲۰ لاکھ بالغوں کو اردو خواں بنایا جا سکتا ہے۔

دستخطی مہم کی جو تکمیل ہو گئی، اور اس میں ہم نے بیس لاکھ دستخط کا اعلان کر کے ساڑھے بیس لاکھ حاصل کر لئے تو اس سے اردو دوستوں میں اپنی قوت عمل کی طرف سے جو شکوک تھے کہ ہم کیا کسی کام کو کر سکیں گے وہ دور ہو گئے۔ ان کی ہمتیں بلند ہو گئیں۔ اور ان میں خود اعتمادی اور صحیح جوش پیدا ہو گیا ہے ان باتوں کی وجہ سے ہم کو یقین ہوتا ہے کہ ہم اسکولی اور تعلیمی مہموں میں بھی کامیاب ہو جائیں گے

لیکن ہاں کامیابی کے لئے ایک بڑی شرط یہ ہے کہ اس مہم میں آپ بھی ہمارے رفیق سفر رہیں۔ راہ کی دشواریاں ساتھ بھگتیں اور سرخ روئی میں بھی حصے دار ہوں، اس لئے آپ سے اپیل ہے کہ آپ ضرور اس میں حصہ لیں۔ امید ہے کہ آپ اس درخواست کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

اسکولی مہم اور تعلیمی مہم ان دونوں میں سے جسے آپ پسند کریں۔ اسے پہلے شروع کیجئے۔ پھر اگر حالات سازگار ہوں اور آپ کا جی چاہے تو دوسری بھی شروع کر دیجئے۔

اگر کسی وجہ سے آپ شروع نہ کر سکتے ہوں تو اپنے دوستوں کو یہ خط دکھلا دیجئے یا جلسہ کر کے ان کو سنائیے اور شوق دلائیے یا ہم کو اپنے ان دوستوں اور عزیزوں کے پتے سے مطلع فرمائیے جو ان دونوں کاموں میں یا دونوں میں سے کسی ایک میں دلچسپی لے سکتے ہوں۔

خبریں

جے پور مسلمانان راجستھان کے ایک وفد نے حال ہی میں صدر کانگریس مسٹر ڈھیبر سے ملاقات کر کے مسلمانان راجستھان کی مشکلات کے متعلق ان کو ایک میمورنڈم پیش کیا۔ وفد میں جمیعۃ علماء کے کارکن شامل تھے۔ وفد میں ایم۔ اے حکیم خاں صاحب، انوارالحق صاحب، جلیل احمد صاحب، حافظ عبدالمجید صاحبان وغیرہ شامل تھے۔

سب سے بڑی مشکل ہمارے بچوں کے لئے تعلیم کی ہے کانگریس کی منظور کردہ متعدد قراردادوں کے باوجود حکومت راجستھان بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دینے کے متعلق بے پروائی برت رہی ہے چنانچہ ہمارے اندر اپنی زبان اور اپنے کلچر کے مستقبل کے بارے میں بے چینی پیدا ہو گئی ہے

اردو کی تعلیم تقسیم سے سابق ریاست جے پور کے تمام ہائی اسکولوں میں اردو کی تعلیم اختیاری تھی۔ لیکن اب جے پور کے ایک اسکول یا راجستھان کے چند اسکولوں کے علاوہ اور کہیں اختیاری مضامین میں بھی شامل نہیں ہے۔

ہندی ہندوستان کی قومی زبان ہے۔ اس سے کوئی منکر نہیں ہندوستانی کو ہندی سیکھنا لازمی ہے۔ لیکن ہندی کی ترقی کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری زبانوں کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ اردو ہمارا مشترک ورثہ ہے۔ دستور میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ ہندی میں ہندوستانی زبان اور دیگر زبانوں کے انداز ہائے تحریر اور سنسکرت اور دوسری زبانوں کے الفاظ کو شامل کیا جائے گا۔ حکومت راجستھان سے کہا جائے کہ اردو داں بچوں کے لئے ذریعہ تعلیم قرار دے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ ہائی اسکولوں میں بھی اردو تعلیم کا انتظام کرے۔ کانگریس نے اردو زبان کے متعلق جو قرارداد منظور کی ہے اس کو لفظی و معنوی اعتبار سے نافذ کیا جائے۔

بھوپال حامد صاحب بھوپالی تحریر فرماتے ہیں کہ بھوپال کی انجمن ترقی اردو جو شروع ہی سے بے ضابطہ اور مرکزی انجمن سے بے تعلق رہ کر من مانی کام کر رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے عہدے داروں کا انتخاب ایک عام جلسے میں عام ممبر سازی کے بعد کیا جائے تاکہ روز روز کے اخباری جھگڑے اور آپس کے اختلاف ختم ہو جائیں کیونکہ اس سے اردو کے مقصد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے اور بھوپال کے حامیان اردو دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ اس سلسلے میں میری یہ تجویز ہے کہ اگست کے پہلے ہفتے میں کسی تاریخ کا تعین کر کے مرکزی انجمن کے کسی نمائندے کے سامنے بھوپال کی انجمن ترقی اردو کے عہدے داروں کا انتخاب کیا جائے اور ممبر سازی کی آخری تاریخ ۱۵ اگست مقرر کی جائے اور مقامی اخبارات میں اس کا عام اعلان کر دیا جائے۔ کہ بھوپال کا ہر بالغ ہندو اور مسلمان بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے ایک روپیہ فیس داخلہ ادا کر کے انجمن کا ممبر بن سکتا ہے اور عہدے داروں کے انتخاب کی کارروائی میں حصہ لینے کا مجاز ہوگا۔

فارم داخلہ کسی آزاد اور انجمن سے غیر متعلق جماعت کو چھپوانا چاہئے یا بھوپال کے ان لوگوں کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے جو انجمن کی مخالفت میں پیش پیش ہیں۔ بہتر ہوتا کہ مرکزی انجمن یہ ذمہ داری خود قبول کرتی۔ تاکہ بھوپال کے کسی اردو جاننے والے کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔

پنجاب مشرقی پنجاب کی حکومت بھی اردو پر احسان فرمانے کی کوشش کر رہی ہے اور ایک پلان کے تحت [illegible] تک پنجاب کی سرزمین بھی اس "گندگی" سے پاک ہو جائے گی اس سوال پر پوری قومی اسپرٹ میں غور و خوض ہو رہا ہے اور محکمہ پلاننگ کی سفارشات کی بنیاد پر پروگرام مرتب کر لیا گیا ہے۔ اس پروگرام کے مطابق [illegible] تک اردو اور انگریزی سے پنجاب کو کلیتہً چھٹکارا مل جائے گا اور ان کی جگہ ہندی اور گورمکھی کو سرکاری زبانیں بنا دیا جائے گا یہ پروگرام دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ اس دور کا ہوگا جس میں تیاریاں مکمل ہو جائیں گی۔ اور یہ دور [illegible] سے لے کر [illegible] تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد [illegible] تک ہندی اور گورمکھی زبانوں کا مشترک استعمال ہوگا۔ اور اسی دور میں حکومت پنجاب دونوں علاقائی زبانوں میں تمام قوانین وغیرہ کے ترجمے کرائے گی پھر اردو اور انگریزی دونوں پنجاب سے صاف ہو جائے گی۔

اس وقت تمام سرکاری خط و کتابت، ریلوں، ریاستی اسمبلی اور سرکاری دستاویزات کی زبان انگریزی ہے اور عدالتوں اور محلات کے دیگر دفاتر کی سرکاری زبان اردو ہے یہ سب کچھ محکمہ پلاننگ کی ہدایت کے مطابق عمل میں آئے گا اور پلاننگ کی ایک ایک چیز ہمارے وزیر اعظم پنڈت نہرو کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔ پنڈت جی اردو کے حق میں پر جوش الفاظ میں تقریریں بھی فرماتے رہتے ہیں اور انھیں کے سامنے اردو کی بربادی کے یہ منصوبے بھی ہیں۔

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا